طلاق مغلظ اور حلالہ!

تحریر: جناب غلام سرور قریشی محلہ عباس پورہ جہلم

طلاق مغلظہ پر کچھ کہنے سے پہلے یہ بتانا مناسب ہے کہ طلاق کو حضور اقدسؐ نے (ابغض الحلال عند الله الطلاق) فرمایا ہے۔ یعنی: ''وہ چیز جو ہے تو جائز مگر عند اللہ پسندیدہ نہیں ہے۔'' اسکی وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہیں۔ انسانِ ضعیف و جہول کی کمزوریوں اور اسکی خِلقی جلد بازیوں سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ انھیں انسان کے بارے میں وہ باتیں معلوم ہیں جو خود انسان اور انسانی نفسیات کے علماء کو خاک بھی معلوم نہیں ہیں۔ زندگی کا بندھن جو مناکحت کے اثر میں صورت پذیر ہوتا ہے، انسانی زندگی کی ہیئت کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ تزویج خاندان کی بنیاد بنتی ہے اور زوجین کے خاندانوں کے درمیان ایک نئی طرح کا رشتہ استوار کرتی ہے۔ پھر مناکحت کا سب سے پیارا اور میٹھا پھل اولاد، والدین کے درمیان صنفی کشش اور جنسی رغبت سے ماوراء ایک نہایت ہی لطیف احساسِ اشتراک پیدا کرتا ہے۔ زوجین اب صرف اس لیے ہی حلقۂ نکاح میں رہنے پر رضامند نہیں رہتے کہ وہ باہم دِگر جنسی تسکین کیلئے لازم و ملزوم ہیں بلکہ اپنی اولاد سے لافانی محبت بھی انھیں اس رشتۂ مناکحت کے استحکام پر مجبور کرتی ہے۔ جبکہ طلاق ان تمام روحانی اور جسمانی رشتوں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ دو خاندانوں کے درمیان رنجش ہی نہیں بلکہ دشمنی پیدا کر دیتی ہے۔ یہ دو خاندان اپنی پوری برادری کیلئے پریشانی کا باعث بنتے ہیں اور خوشی غمی کے مواقع پر جب پوری برادری کی شمولیت اور حاضری ضروری ہوتی ہے، یہ دو خاندان کئی معاشرتی مشکلات کا سبب بنتے ہیں۔ گویا ایک طلاق صرف زوجین یا ان کے دو خاندانوں کیلئے ہی خرابی پیدا نہیں کرتی بلکہ پوری برادری کو اسکے منفی اثرات قبول کرنا پڑتے ہیں۔ پھر اولاد جو اس ساری خرابی کے پیدا کرنے میں کوئی کردار نہیں رکھتی، سب سے بڑھ کر تباہ کن نتائج کا سامنا کرتی ہے۔ اس کی پرورش، تعلیم و تربیت اور نفسیاتی نشو و نما بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اسی لیے طلاق روا ہوتے ہوئے بھی عند اللہ پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی منشاء یہی ہے کہ اسے صرف اور صرف آخری حربہ کے طور پر ہی استعمال کیا جائے اور جہاں تک بن پڑے، زوجین اس عہدِ ایجاب و قبول کو نباہ ہی ڈالیں۔

جاہلی عرب میں ''ظہار'' بھی طلاق کا ایک طریقہ تھا۔ اسلام میں ابھی اسکا حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ ایک صحابیہ بی بی خولہؓ سے ان کے خاوند اوس بن صامتؓ نے ظہار کر دیا۔ بی بی موصوفہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واویلا کیا کہ اتنی ساری اولاد جن کر وہ اب کدھر جائیں؟ قارئین کرام آغاز پارہ اٹھائیسواں کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اللہ باری تعالیٰ نے اس بی بی کے استغاثہ پر کیا ردِعمل فرمایا۔ طلاق یافتہ بی بی کی نالش سے عرشِ اعظم کے مالک نے فوراً آسمان سے وحی بھیج دی کہ ظہار سے طلاق نہیں ہو جاتی۔ مجھے اس واقعہ کی تفصیل نہیں بیان کرنا بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے:۔

۱: طلاق کسی عورت کیلئے کس قدر ہولناک شے ہے۔

۲: اللہ تعالیٰ نے بی بی کو طلاق کے داغ سے بچانے کیلئے آسمانی قانون بھیج دیا۔ یہ تو خیر معمر بی بی تھیں، انھیں کوئی عقدِ ثانی کی احتیاج نہ ہوتی مگر صرف طلاق کے داغ سے بلبلا اٹھیں اور نزولِ وحی کا باعث بن گئیں۔ عالمِ شباب میں، جبکہ راہِ حیات کی طویل مسافت باقی ہوتی ہے، اگر کسی بی بی کو طلاق ہو جائے تو اس کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے اور وہ معاشرے میں نکو ہو کر رہ جاتی ہے۔ طلاق اس کیلئے ایک ایسا طعنہ بن جاتا ہے جس کا جواب دینا اسکے بس میں نہیں ہوتا۔ بکارت و دوشیزگی کے زیور سے محروم ہو کر وہ جب عقدِ ثانی کرے گی تو عالمِ نسواں میں ہمسری نہ کر سکے گی اور نہ اپنے خاوند کی نظر میں مقام و مرتبہ حاصل کر سکے گی۔ گویا طلاق اسکے حسنِ سیرت اور حسنِ صورت پر چیچک کا داغ بن کر اسکا سب کچھ گہنا دے گی۔ ان تمام مصالح کیلئے ہی اللہ تعالیٰ نے طلاق کو ناپسند فرمایا مگر..... اس کو انتہائی ضرورت کے وقت روا بھی رکھا ہے کہ زوجین کو عقدۂ نکاح اگر مستقل عذاب بن کر رہ گیا ہے تو پھر وہ گلو خلاصی کرا سکیں۔

اولاد کا مسئلہ سب سے سنگین ہے۔ فرض کیجیے، اولاد ماں کے پاس رہتی ہے تو کفالت کون کرے گا؟ اسلام کا حکم کون مانتا ہے؟ یہ تو ہونے سے رہا کہ عورت اولاد رکھے اور کفالت باپ کرتا رہے۔ لہذا تنہا عورت کیونکر اس کشتی کو ساحلِ مراد تک لے جائے گی؟ خوراک ولباس کہاں سے مہیا کرے گی؟ علاج کیلئے کہاں ہسپتالوں میں دھکے کھائے گی؟ اور اگر بچے باپ کے پاس رہ جائیں اور وہ عقدِ ثانی کرے تو وہ سوتیلی ماں کے ستم اٹھائیں گے۔ جبکہ حقیقی ماں ان کیلئے ماہیٔ بے آب کی تصویر ہو گی اور وہ اس کی جدائی کے دکھ بھریں گے۔ اگر بچے ماں کے پاس رہیں اور وہ عقدِ ثانی کرے تو سوتیلا باپ کیوں پرائی اولاد کو پالے

گا؟ کوئی بھی صورت ہو، اولاد برباد و خوار ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کو یہ سب صورتیں معلوم ہیں اسی لیے ہر ممکن طریق پر اس کی راہ روکنے کی تدبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اگر مرد بیوی سے متنفر ہو جائے کہ وہ خوبصورت نہیں ہے تو بھی طلاق نہ دے۔ ہوسکتا ہے حسن صدری سے معریٰ بیوی کئی دوسرے طریقوں پر اس کیلئے باعث خیر و برکت بن جائے۔ یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ شکایت کی صورت میں خاوند بیوی کو سمجھائے، ترکِ خلوت کرے اور پھر مارے مگر فوری طلاق نہ دے۔ اس سے آگے معاملہ اللہ کے سپرد کر دے۔ منشائے الٰہیہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ بندہ طلاق کا حق استعمال کرنے کے انتہائی اقدام سے باز ہی رہے۔ ہاں اگر اضطراری حالت میں ایسا کرنا چاہے تو اس پر مؤاخذہ نہیں ہے۔

جادو کی مذمت کرنے کیلئے، جادوگر کا ایک جرم یہ بتایا کہ وہ میاں بیوی کے درمیان اس سے تفریق کراتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفریق اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہے۔ میں نے یہ ساری گفتگو اس لئے کی ہے کہ قارئین کرام جان سکیں کہ اللہ تعالیٰ طلاق کے نہیں بلکہ نباہ کے داعی ہیں۔

بہرحال اگر زوجین میں سے کوئی فریق طلاق پر ہی آمادہ ہو جائے تو بھی اللہ تعالیٰ ہر ممکن طریق پر اس کی راہ روکتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿ **وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من أهله و حكماً من أهلها ..** ﴾ (النساء:۳۵) میاں بیوی کے درمیان نزاع اور ناچاقی کی صورت میں طلاق سے پہلے، اہلِ خاندان، میاں اور بیوی دونوں کے خاندانوں سے ایک ایک حکم (ثالث) مقرر کریں۔ جو نیک نیتی سے، دونوں طرف کے حالات و شکایات سن کر معاملے کو سلجھانے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائیں گے اور نباہ کی صورت پیدا کریں گے۔

اگر یہ کوشش بھی ناکام رہ جائے تو پھر طلاق کا ایک ایسا طریقہ تجویز کیا، جس کے مطابق آخری وقت تک اصلاح کی گنجائش موجود ہے۔ فرمایا ﴿ **الطلاق مرّتٰن** ﴾ (البقرۃ:۲۲۹) ترجمہ: ''طلاق دوبار ہے۔'' اسے اصطلاحِ اسلام میں طلاقِ رجعی کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ حالتِ حیض میں نہ دی جائے۔ جب عورت حیض سے پاکی حاصل کرے گی تو مرد اسے ایک طلاق دے گا اور گھر سے اسے نہ نکالے گا۔ اور اس دوران عدت سے قبل رجوع کرنا چاہے تو رجوع کرسکتا ہے۔ اور اگر عدت گزر جائے تو نئے

نکاح اور نئے حق مہر کے ساتھ دوبارہ اسے اپنے حبالۂ عقد میں لاسکتا ہے۔ البتہ اب اس نے اپنا طلاق کا ایک حق استعمال کرلیا ہے۔ اب اگر زندگی کے کسی حصہ میں دوبارہ طلاق دیتا ہے تو اس میں مذکورہ طریقہ کے مطابق رجوع کرسکتا ہے۔ البتہ اب اس کے بعد تیسری مرتبہ طلاق دیتا ہے تو اس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہے۔ سوائے ﴿حتی تنکح زوجاً غیرہ﴾ ترجمہ: ''یہاں تک کہ وہ کسی اور سے نکاح کرلے۔''

اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے قربان جایئے۔ میاں بیوی کا رشتہ بھی بڑا عجیب ہے۔ ابھی لڑ رہے تھے اور ابھی صلح ہوگئی۔ طلاق ہمیشہ غصہ میں دی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿وبعولتھن أحق بردھن﴾ (البقرۃ: ۲۲۸) ترجمہ: ''طلاق پانے والی بی بیوں کے خاوندوں کا زیادہ استحقاق ہے کہ وہ انھیں کے پاس لوٹ جائیں۔'' خاوند بیوی کیلئے ایک نئی دنیا بساتا ہے۔ گھر آباد کرتا ہے جسے دونوں مل کر سجاتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق اور لیاقت کے مطابق اس گلستانِ محبت کی آبیاری کرتے ہیں۔ پھر اس میں رہ کر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی تلاش کرتے ہیں جو اولاد کی شکل میں اس کے اندر پھول بن کر نمودار ہوتا ہے۔ دونوں ہی مل کر اس میں محبت کا شیریں نغمہ گاتے اور اس شیریں ثمر کو پالنے پوسنے میں دونوں مشقت کے درد سہتے ہیں۔ مگر کبھی اس چمن میں ناچاقی کی بادِ سموم بھی چلنے کو آجاتی ہے۔ ممکن ہے کہ بات صرف سالن میں نمک کی کمی بیشی سے شروع ہو اور کسی بڑے تنازعہ کا سبب بن جائے اور نوبت قطع کلامی اور مارکٹائی تک پہنچ جائے۔ لیکن اسی قطع کلامی کے دوران کسی ایک کو بخار ہوگیا یا کوئی بچہ بیمار پڑ گیا تو سب کچھ بھول کر ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے لگے۔ یہ ہے اس رشتے کا تنوع! اس لئے طریقۂ طلاق یہ تجویز کیا گیا کہ ایک طلاق دے کر گھر میں ہی رکھے۔ تاکہ دونوں کا غصہ جب ٹھنڈا ہو تو ٹھنڈے دل سے معاملے پر غور کریں۔ بچے دونوں کے سامنے موجود ہوں گے جو ان دونوں کی چاہتوں اور محبتوں کا مشترک سرمایہ ہیں۔ حریمِ خانہ اور اس کی زینت و آرائش میں دونوں کی توانائیاں خرچ ہوتی ہیں۔ اثاث البیت کے بنانے اور مال مویشی کے پالنے میں دونوں نے مشقت اٹھائی ہے، سب اشیاء سامنے ہوں گی۔ اور ان سب سے بڑھ کر غالب قوت، جنسی ضرورت ہے۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی محبت غالب آجائیگی اور زوجین صلح کرلیں گے اور رجوع کرلیں گے۔ یوں طلاق کی تباہ کاری سے محفوظ رہ جائینگے اور عام طور پر مشاہدے میں آیا ہے کہ صلح ہو ہی جاتی ہے۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس طریقۂ طلاق سے ہٹ کر طلاق دینی ہی نہیں چاہیے۔ ہمارے ہاں جو بیبیاں روٹھ کر میکے میں جا کر رک جاتی ہیں اور بغیر مصالحانہ کوشش کے عدالتوں کے ذریعے تنسیخِ نکاح کراتی ہیں تو یہ طریقہ سراسر خلافِ اسلام ہے۔ شادی ایک معاہدہ ہے زوجین کے درمیان جو ایجاب وقبول باہمی سے وجود میں آتا ہے۔ اسے یہی دو فریق توڑ سکتے ہیں۔ اسے کسی عدالتی حکم سے کالعدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہاں اگر خاوند آباد کرے نہ آزاد کرے بلکہ درمیان میں معلق رکھے تو دیندار قاضی ایسا کر سکتا ہے۔ مسلمان بیبیوں کو انگریزی قانون کی عدالتوں سے خلع لینے سے توبہ کرنا چاہیے یہ بڑی معصیت اور نحوست ہے۔

میں نے ازالۃ الخفاء میں سیرت سیدنا عمر فاروقؓ کے سلسلے میں یہ واقعہ پڑھا ہے۔ ان کے زمانے میں طلاق کے طریقۂ اسلام میں بدعت در آئی اور وہ یہ کہ خاوند جوش میں ایک ہی سانس میں تین طلاقیں دینے لگے۔ تو انھوں نے ایک حکم کے ذریعہ تین کو تین طلاقیں شمار کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ اس واقعہ سے دلیل پکڑ کر تین طلاق بیک وقت کو بعض اہلِ علم نے طلاقِ مغلظ قرار دے دیا اور اس کے بعد رجوع کا دروازہ بند کر دیا، سوائے حلالہ کے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ: کیا سیدنا عمر فاروقؓ سمیت کسی بھی ہستی کو قرآن وسنت میں نص قطعی سے ثابت طریقۂ کار کو بدلنے کا کوئی اختیار ہو سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے ایسا حکم کیوں جاری کیا؟ اس کا جواب واقعہ کے اندر ہی موجود ہے کہ وہ لوگوں کے اندر ایک غلط عادت کو جڑ سے اکھاڑ کر طلاق کا اسلامی طریقہ بحال کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے بیک وقت تین طلاقوں کو تین طلاقیں شمار کر کے دراصل ان لوگوں کو سزا دی تھی جو غلط طریقۂ کار کے مرتکب ہوئے اور پھر واقعہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کے اس اقدام کے بعد یہ طریقہ ختم ہو گیا اور لوگ شرعی طریقہ پر عمل کرنے لگے۔ لیکن بعض اہلِ علم نے ان کے اس ہنگامی کام کو، جو ایک غلط اقدام کو مٹانے کیلئے تھا، ایک بدعت کی شکل میں مستقل قانون کا درجہ دے دیا جو روحِ واقعہ ہی نہیں بلکہ منشائے الٰہیہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ اور سپرٹ آف اسلام کے خلاف ہے۔ اس سے وہ دروازے بند ہو گئے جو اللہ تعالیٰ نے زوجین کیلئے وا رکھے اور جو ان کے درمیان صلح کی ضمانت دیتے تھے اور انہیں طلاق کی تباہ کاریوں اور معاشرتی زندگی کی بے شمار خرابیوں سے بچاتے تھے۔ طلاق دیتے وقت انسان مغلوب الغضب ہوتا ہے۔ غضب، فکر کی صلاحیت سلب کرتا ہے۔ یہ جنوں کے قریب ہے۔ یہ سب باتیں

اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ اسلئے اس نے طلاق رجعی کا طریقہ مقرر فرمایا کہ جب نارمل حالت میں پلٹ کر آئے اور بندہ غصہ کے اثرات سے آزاد ہو تو اپنے فیصلے پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرے اور اگر اس کی عقل اسے غلط قرار دے تو اپنا اقدام واپس لے لے۔ جب کہ طلاق مغلظ، بندوں کو، اپنے رب تعالیٰ کی عطا سے محروم کر دیتی ہے۔ کیا حضرت عمر فاروقؓ یہ چاہتے تھے کہ بندے طلاق مغلظ دے کر، ایک تو غیر مسنون طریقہ کے مرتکب ہوں اور دوسرے ان تمام مواقع سے محروم ہوں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اصلاحِ احوال کیلئے دیئے تھے اور یوں رشتۂ ازدواج کے ماضی اور مستقبل کے تقاضوں کی طویل تاریخ پر نظر کئے بغیر ہی ایک سانس میں اس مقدس اور اہم بندھن کو پاش پاش کر کے رکھ دیں۔ وہ آشیانہ جسے زوجین نے نہایت جانفشانی اور محبت سے بنایا تھا اور وہ اولاد جن کے پانے کیلئے انہوں نے دعائے سحر گاہی سے کام لیا تھا۔ اسے ایک ہیجانی حالت میں تین طلاق بول کر جلا کر خاکستر کر دیں۔ نہیں یہ سب کچھ غلط تھا، اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے زوجین کو پہلے حکم (ثالث) مقرر کرنے، پھر حالتِ طہر میں ایک طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ میرے خیال میں حکمین کا تقرر بھی طلاق کا اولین تقاضا ہے۔ جسے ضرور پورا کیا جانا چاہئے اور وہ لوگ جو اس آسمانی طریقۂ کار کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تین طلاق دیتے ہیں، چاہئے کہ مفتیانِ شرع متین انہیں کوئی بھاری جرمانہ کریں مگر طلاق کو ایک ہی شمار کریں کیونکہ اس طرح طلاق مغلظ کا تصور ہی اسلام میں نہیں ہے۔

دیکھیں، اپنے زمانۂ خلافت میں سیدنا عمر فاروقؓ نے، قحط کے دوران، سارق کی سزا قطع الید بھی معطل کر دی تھی۔ یہ بھی ہنگامی اقدام تھا۔ لوگ بھوکے مرتے، لوگوں کے مطبخوں میں گھس جاتے اور اشیائے خوردنی لے اڑتے۔ آپؓ نے فرمایا: ''یہ ہے تو چوری ... پر میں ان کے ہاتھ کیسے کاٹ دوں؟ یہ حالتِ اضطرار ہے۔'' تو کیا کوئی بندہ یہاں سے نظیر لے کر یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ہاتھ کاٹنا حضرت عمرؓ نے ختم کر دیا تھا تو اب ختم ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے ایک بار مہر کی رقم مقرر کر دینے کا عندیہ دیا کیونکہ لوگ بھاری بھاری رقوم کا مطالبہ کرنے لگ گئے تھے۔ مگر ایک صحابیہؓ نے کہا کہ اے عمرؓ! ہمارا اللہ تو ہمیں ''قنطار'' (خزانہ) عطا کرتا ہے۔ آپؓ محروم کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ اور بطور دلیل یہ آیت پڑھی ﴿و اٰتیتم إحداهن قنطاراً فلا تأخذوا منه شیئاً﴾ (النساء: ۲۰) یہ سن کر آپؓ نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ ان ہر سہ واقعات سے ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ہنگامی حالت میں کئے گئے اقدامات مستقل

قانون نہیں بن جایا کرتے اور قانون الٰہیہ میں ترمیم کا اختیار سیدنا عمرؓ سمیت کسی کو بھی نہ تھا اور نہ اب ہے۔

بیک وقت تین طلاقوں کو ''طلاق مغلظ'' شمار کرنے سے ﴿الطلاق مرتٰن﴾ ترجمہ: ''طلاق دو بار ہے۔'' کے قرآنی حکم کی تردید ہوتی ہے۔ وہ فعل کس طرح جائز ہوسکتا ہے جو قرآن کی تردید کرے۔ ''طلاق مغلظ'' ﴿وبعولتهن أحق بردهن﴾ ترجمہ: ''طلاق یافتہ بی بیوں کے خاوندوں کا زیادہ حق ہے کہ وہ ان کے پاس لوٹیں۔'' کا امکان مٹاتی ہے۔ یہ بھی قرآنی حکم ہے جو اس کی خلاف ورزی ہے وہ غیر اسلام ہے۔ طلاق دینے سے پہلے حکمین کا تقرر بھی قرآنی حکم ہے۔ ''طلاق مغلظ'' یہ حکم بھی پورا نہیں کرتی۔ جو فعل اتنے قرآنی احکام سے متصادم ہو، اسے درست قرار دینا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ کیا ہمیں ''طلاق مغلظ'' کا جواز نکالتے وقت اللہ سے ڈرنا نہیں چاہیے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ وہ بدنصیب جوڑے جو اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایک ساعتِ غضب میں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی ساری رعایت، عنایت، تخفیف اور عطاء کے دروازے بند پاتے ہیں اور پھر یہی مفتیانِ کرام ﴿حتیٰ تنکح زوجاً غیره﴾ کی غلط تعبیر کر کے انہیں گمراہی میں مبتلا کرتے ہیں اور اسے ''حلالہ'' کا نام دیتے ہیں۔ اولاد کے مستقبل کو بنا ٹھہرا کر اس کا جواز نکالتے ہیں۔ حالانکہ حلالہ کا حکم دینے والا، حلالہ کرنے اور کرانے والا، بحکم حدیث (لعن الله المحلل والمحلل له﴾ ترجمہ: ''حلالہ کرنے والے اور کروانے والے پر اللہ لعنت کرے۔'' سب حرام اور لعنتی کام ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ اہل علم طلاق تو مغلظ ہی دینے یا دلانے کا حکم دیتے ہیں اور ﴿وبعولتهن أحق بردهن﴾ کا تقاضا حلالہ جیسے حرام فعل سے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ مناسب نہیں کہ بیک وقت تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جائے اور خاوند کا حقِ رجوع تسلیم کیا جائے۔ جو منشائے الٰہیہ اور تعلیمِ رسول اللہؐ ہے۔ طلاقِ مغلظ کے فتوے سے کتنی ہی عفت مآب بیبیاں، اپنے ماتھے پر طلاق کا داغ لگوا کر بقیۃ العمر منہ چھپاتی پھریں۔ معاشرے سے کٹ کر رہ گئیں اور آخرکار قبروں میں چلی گئیں۔

''طلاق مغلظ'' کا یہ تصور ہی غلط ہے۔ میں یہ ضرور چاہوں گا کہ علمائے اسلام ایسے خاوندوں کو ضرور سزا اور ان پر کوئی جرمانہ تجویز کریں اور حکومت اسے نافذ کرے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور وہ آئندہ اس بدعت سے مجتنب رہیں مگر طلاق ایک ہی شمار کریں۔ یہی خالق کائنات کی منشاء ہے۔ اسی میں زوجین کی بھلائی کی تدبیر ہے۔ آپ طلاق کا باب اچھی طرح پڑھیں۔ آپ یہ ضرور محسوس فرمائیں گے کہ اللہ

رحمٰن ورحیم اسے ہر قیمت پر روکنا چاہتے ہیں۔ وہ بندوں کو سوچ و بچار کا موقع دینا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکیں۔ یہ فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہیں ہے۔ بندہ جلد باز ہے، نادان ہے، اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہیں۔ وہ اپنے کمزور بندوں کی نادانی اور عجلت پسندی سے آگاہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ بندے جلد بازی میں اپنے ان عشرت کدوں کو برباد نہ کر دیں جن کی تعمیر میں انہوں نے عمریں کھپائی ہیں۔ اپنی پیاری اولادوں کو دنیا میں خوار ہونے کیلئے نہ چھوڑ دیں۔ طلاق رجعی کی صورت میں بندہ یہ بھی سوچے گا کہ اس کی خلوتوں کی رونق اور امین بیوی طلاق کے بعد کل کلاں کسی دوسرے مرد کی تنہائی آباد کرے گی۔ شاید یہ فکر اس کی غیرت کیلئے تازیانہ بن جائے اور وہ طلاق واپس لے لے۔ لہٰذا ''طلاقِ مغلظ'' کا فتویٰ دے کر پورے اسلامی خاندانی سسٹم کو ناکام نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ زوجین کے درمیان ہر قیمت پر صلح کے حامی ہیں جبکہ ''طلاق مغلظ'' بیک جنبش زبان یہ دروازہ بند کر دیتی ہے جو آسمانی فلسفہ کے منافی ہے۔ سیدنا عمر فاروق ؓ کی مثال تو ''طلاقِ مغلظ'' کی تغلیط و تردید کرتی ہے اور ہم اسے اس کا جواز بنا رہے ہیں۔ ''طلاقِ مغلظ'' حرام ہے اور سیدنا عمر فاروق ؓ حرام کو کیسے حلال قرار دے سکتے تھے؟ یہ ان پر اتہام ہے۔

قارئین کرام یہ پورا واقعہ خود پڑھیں۔ اس کا ہر ہر لفظ بول بول کر شہادت دے رہا ہے کہ ان کا یہ اقدام بیک وقت تین طلاقوں کا وجود مٹانے کیلئے تھا۔ ان کا مدعا یہ نہ تھا کہ تین طلاق کو تین شمار کریں۔ ان کا مدعا یہ تھا کہ شرعی طریقۂ کار کے مطابق صرف ایک طلاق رجعی دی جائے اور کوئی بندہ اصل طریقۂ کار سے انحراف نہ کرے۔ وہ قاعدۂ مسنون کی بحالی چاہتے تھے۔ وہ ماحیٔ بدعت تھے۔ حضرت عمرؓ کے اقدام کی روح یہ نہیں ہے کہ تین طلاقیں، تین شمار کریں بلکہ یہ ہے کہ تین طلاق ایک سانس میں نہ دیں۔ وہ بندوں کو ان تمام مواقعِ اصلاح سے محروم نہ کرنا چاہتے ہوں گے جو اللہ باری تعالیٰ نے ارزانی فرمائے ہیں۔ طلاقِ رجعی بندۂ نادان کیلئے اللہ رحمٰن ورحیم کی عنایتِ بے نہایت کا پیکج ہے۔ یہ دخترانِ اسلام کی انا اور سماجی مرتبہ ومقام کے تحفظ کی آخری کوشش ہے۔ اس کے ذریعے ننانوے فی صد حالتوں میں عورتیں طلاق کے کلنک سے بچ جاتی ہیں۔ اولادیں در بدر اور خاک بسر ہونے سے بچ جاتی ہیں۔ ہماری نہایت ہی دردمندانہ التماس ہے بندوں کو اللہ کی رحمت سے دور نہ کریں۔ البتہ یہ ضرور کریں کہ مسلمانوں کو بیک وقت تین طلاقوں کے گناہ کرنے سے روکیں اور طلاق رجعی کا طریقۂ تعلیم کریں۔ اس سے خالق راضی اور مخلوق کا بھلا ہوگا۔ وما توفیقی الا باللہ